پروفیسر حافظ سید خالد محمود ترمذی

# تخلیق پاکستان کے مقاصد اور شریعت بل

مجھے بہت حیرانی ہوتی ہے کہ بعض لوگ اپنے فن اور پیشے کو اس قدر مقدس بنا لیتے ہیں کہ اس سے متعلق افراد کے کردار کو نہ اسمبلی میں زیر بحث لایا جا سکتا ہے نہ اخبارات میں لیکن یہی لوگ سیاست تو چھوڑیئے اپنے مذہب (جو تمام دنیا کے نزدیک حقیقتاً مقدس ہے) کے معاملے میں بھی اپنی ٹانگ اڑانے کو اپنا حق سمجھتے ہیں خواہ ان کو اس کا حق کہیں سے ملا ہو یا نہ ملا ہو۔ وہ از خود اپنا استحقاق پیدا کر لیتے ہیں۔

میجر ریٹائرڈ منظور حسین خان کا ۲۰ اور ۲۸ جولائی کے جنگ میں شائع شدہ مضمون "تخلیق پاکستان کے مقاصد اور شریعت بل"، اسی ذہنیت کا غماز ہے۔ وہ سینیٹر مولانا سمیع الحق جیسے عظیم سکالر اور عالم فاضل کو (جو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق بانی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور جیسے بلند پایہ عالم کے لخت جگر ہیں ان کے پروردہ اور تربیت یافتہ ہیں جو خود قومی اسمبلی کے معزز رکن ہیں اور بار ہا رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے ہیں) مذہب پر لکھنے اور سینیٹ میں شریعت بل پیش کرنے کا حق نہیں دیتے۔ لیکن خود بغیر کسی استحقاق کے مذہب پر لکھنا وہ اپنا موروثی حق سمجھتے ہیں۔ اگر وہ دفاع پاکستان پر کوئی مضمون سپرد قلم کرتے تو ہم ان کی بات مان لیتے لیکن آج کے —— specialisation کے دور میں ان کا مذہب پر بغیر کسی سند کے خامہ فرسائی کرنا باعث حیرت ہے۔

آپ فرماتے ہیں "تخلیق پاکستان" "دو قومی نظریہ" کی مرہون منت ہے۔ اور اس نئی مملکت کو "مسلم قومیت" کی بنا پر حاصل کیا گیا ..... قائد اعظم نے قوم کی تعریف مروجہ اصول سیاسیات کے تحت کی جس کی بنا پر عصر حاضر میں قومی ریاستیں وجود میں آئی ہیں انہوں نے اس غرض کے لئے "کسی مذہبی نظریہ کا سہارا لیا نہ اپنی تحریک کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی"۔

اس ایک جملے میں موصوف کئی متضاد باتیں کر گئے ہیں۔ کہ بانی پاکستان نے اس نئی مملکت کو "مسلم قومیت" کی بنا پر حاصل کیا۔ پھر اگلے ہی سانس میں آپ فرماتے ہیں کہ قائد اعظم نے قوم کی تعریف مروجہ اصول سیاسیات کے تحت کی جس کی بنا پر عصر حاضر میں "قومی ریاستیں" وجود میں آئی ہیں۔

مروجہ اصول سیاسیات کے تحت قوم، قومیت مسلم قومیت اور قومی ریاست کے الفاظ تشریح طلب ہیں۔ انگریزی لفظ نیشن (NATION) یعنی قوم لاطینی لفظ Natus سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں (BORN) یعنی پیدائش یا نسل وغیرہ۔ یہ لفظ لوگوں کی صرف اس جماعت کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ایک ہی نسل سے ہوں اور جن کے درمیان برادرانہ تعلقات ہوں۔ قوم اور قومیت کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ دو مختلف تراکیب ہیں۔ علامہ ابن خلدون قوم کو ایک گروہ یا قبیلے کا نام دیتے ہیں مگر قومیت ان کے نزدیک جذبے کا نام ہے۔ جسے وہ "عصبیت" کہتے ہیں۔ یہ لفظ "عصبہ" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پٹھہ۔ انسانی جسم میں تمام پٹھے باہم اس طرح مربوط ہوتے ہیں اور ان میں اس طرح اشتراک احساس پایا جاتا ہے کہ اگر جسم کے کسی حصے میں کوئی تکلیف ہو یا جسم کا کوئی حصہ کسی چیز سے مس کرے تو فوراً ہی تمام جسم کو اس کا احساس ہو جاتا ہے اسی طرح قومیت روح یا جذبہ ہے۔ جو تمام قوم میں جاری و ساری ہوتا ہے۔ قوم کے ایک فرد کا احساس تمام قوم کے احساس کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ قوم کی تکمیل یا اس کی اعلیٰ ترین حیثیت و مرتبے کے لئے قومیت کے جذبے کا بدرجہ اتم موجود ہونا ضروری ہے۔" (مقدمہ ابن خلدون)

لارڈ برائس نے قوم کی تعریف یوں کی ہے:۔

قوم ایک ایسے افراد کا گروہ ہے جو عام طور پر کسی خاص علاقے پر قابض ہوں ان کی اپنی سیاسی تنظیم ہو وہ یا تو آزاد ہوں یا آزادی کے لئے جدوجہد میں مصروف ہوں۔ اور چند خصوصیات مثلاً نسل، مذہب، زبان، رسم و رواج، تاریخ اور مستقبل کے منصوبے کی بنیاد پر آپس میں متحد ہوں۔

گلکرائسٹ قوم کو ریاست اور قومیت کا مجموعہ کہتا ہے یعنی ریاست + قومیت = قوم قومیت کی تشکیل کرنے والے عوامل سات ہیں۔ اشتراک نسل، اشتراک مائش یعنی وطن، اشتراک زبان و لٹریچر، تاریخ روایات اور تمدن کا اشتراک۔ اشتراک مفاد۔ سیاسی اجتماع اور احساس آزادی کا اشتراک، اشتراک مذہب۔

علامہ اقبال نے مسلم قومیت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:۔

"مسلمانوں اور دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے، نہ اشتراک وطن، نہ اشتراک اغراض اقتصادی بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی اس لئے شریک ہیں کہ بظاہر کائنات کے متعلق ہمارے سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے۔"

قوم اور قومیت کے موجودہ تصور کی بنیاد جدید نیشنلزم ہے جو کوئی زیادہ پرانا نہیں۔ یورپ میں جب عیسائیت کو چھوڑ کر اس کی بجائے مادہ پرستی کو مذہب قرار دیا گیا تو نیشنلزم کی بنیاد وطنیت قرار پایا جس کے

تحت اپنے ملک کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہر جائز و نا جائز فعل ٹھیک اور بجا ٹھہرا۔

اسی اصول سیاسیات کا سہارا لے کر (کہ قوم وطن سے بنتی ہے) تو نہرو نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ برصغیر میں دو قومیں بستی ہیں ایک ہندو اور ایک انگریز۔ لیکن بانی پاکستان نے اس مروجہ اصول قومیت کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے اسلامی نظریہ قومیت کا سہارا لے کر جس کے تحت کسی قوم کی بنیاد اشتراک مذہب پر قائم ہوتی ہے یہ دعوٰی کیا کہ ہندوستان میں ایک تیسری قوم بھی ہے جس کا نام مسلمان ہے اسی لئے آپ نے مسلم قومیت کی بنیاد ہندو اور مسلمانوں کے باہم گر متصادم نظریات اور مختلف تہذیبوں کو قرار دیا (جیسا کہ فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں اسے تسلیم کیا ہے)

میں فاضل مضمون نگار سے پوچھتا ہوں کہ آخر ہندو اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے کیسے ہو گیا۔ جب کہ دونوں ایک ہی ملک میں عرصہ دراز سے آباد تھیں اور اب بھی مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد ہندوستان میں آباد ہے۔ اور ہندو پاکستان میں آباد ہیں۔ یعنی اشتراک وطن کا عامل دونوں قوموں میں مشترک ہے۔ اس کے علاوہ اشتراک نسل، اشتراک مفاد نیز سیاسی اجتماع اور احساس آزادی کا اشتراک اور اشتراک مذہب کے عوامل مشترک نہیں تھے۔ اس لئے ان کا تعلق مختلف تہذیبوں سے قرار پایا کیوں کہ ان کی تہذیبوں کی بنیاد کیا ہے۔ جواب یہی ہے کہ ان کی بنیاد بھی مذہب ہی ہے۔ ان کی تہذیب کی بنیاد بت پرستی پر ہے جو ان کا مذہب ہے۔ ہماری تہذیب کی بنیاد بت شکنی پر ہے۔ کہ ہمارا یہی مذہب ہے ان کی زندگی کے متعلق نظریات کی بنیاد آواگون یعنی تناسخ کے عقیدے پر ہے کیونکہ یہ ہندومت کا بنیادی عقیدہ ہے جب کہ ہماری زندگی کے متعلق نظریات آخرت اور زندگی مابعد الموت کے عقیدے پر قائم ہیں۔ اور یہ عقیدہ ہمیں ظاہر ہے اسلام نے سکھایا ہے۔

یعنی ثابت یہ ہوا کہ مسلم قومیت کی بنیاد مذہب پر ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ کی اوپر دی گئی مسلم قومیت کی تعریف سے بھی ظاہر ہے اور انہوں نے محض اشتراک وطن کے عامل کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا ہے:-

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یعنی موصوف کا یہ کہنا غلط ہوا کہ بانیٔ پاکستان نے قوم کی تعریف مروجہ اصول سیاسیات کے تحت کی۔ البتہ آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ انہوں نے مسلم قومیت کا سہارا لیا جس کی بنیاد مذہبی نظریہ ہے لہذا آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ بانیٔ پاکستان نے اس غرض کے لئے کسی مذہبی نظریہ کا سہارا نہ لیا۔ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ انہوں نے تحریک پاکستان کو مذہبی رنگ نہیں دیا یہ بھی غلط ہے کیونکہ آپ خود لکھتے ہیں کہ:-

"بانیٔ پاکستان نے صاف الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ نئی مملکت ایک جدید جمہوری ریاست ہوگی جسے اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے گا۔ لیکن اسے ہرگز تھیاکریسی یعنی مذہبی ریاست میں تبدیل نہیں ہونے دیا جائے گا"

موصوف پر یہ واضح ہونا چاہیے کہ اسلامی ریاست اور ایک مذہبی ریاست میں جس میں مذہبی پیشوا مامور من اللہ کی طرز پر حکومت کرتے ہیں زمین آسمان کا فرق ہے ہمارے لئے اسلامی ریاست کا نمونہ خلفاء راشدین کی خلافت راشدہ ہے۔ مجھے یہ بتایا جائے کہ ان چاروں خلفاء میں سے کس نے اپنے مامور من اللہ ہونے کا دعوی کیا۔ وہ سب مسلمانوں کے منتخب خلفاء تھے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز بن مروان جنہیں پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا جاتا ہے گو اگرچہ سلیمان بن عبدالملک نے نامزد کیا تھا لیکن انہوں نے اپنے آپ کو عوام الناس جنہیں شاہ ولی اللہ نے "خلافت باطنیہ" قرار دیا ہے کے سامنے پیش کیا آپ نے فرمایا "میں تم پر امیر بنا دیا گیا ہوں تم میری اطاعت سے آزاد ہو تم کسی کو بھی جسے تم چاہو امیر چن سکتے ہو"

لوگوں نے کہا آپ کو ہی امیر چن لیا۔

بہرحال اسلامی ریاست کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں حاکمیت اعلیٰ یعنی ساورنٹی اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے یعنی اس کی بنیاد لاالہ الا اللہ ہے۔ کیا موصوف اس تاریخی حقیقت کو جھٹلا سکتے ہیں کہ تحریک پاکستان جب زوروں پر تھی تو اس کا نعرہ کیا تھا ؟ پاکستان کا مطلب کیا لاالہ الا اللہ۔ یعنی پاکستان کا قیام اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے تھا۔ لہذا آپ کی یہ بات بھی غلط ٹھہری کہ بانیٔ پاکستان نے تحریک پاکستان کو مذہبی رنگ نہیں دیا۔ ورنہ آپ علامہ شبیر احمد عثمانی کو یہ نہ فرماتے کہ میں عوام کا محاذ سنبھالتا ہوں آپ علماء کا محاذ سنبھالیں یعنی آپ علماء کو قیام پاکستان کے لئے قائل کریں۔

نیز موصوف دنیا میں موجود کسی ایسی جدید جمہوری ریاست کی نشان دہی کریں گے کہ جو مذہبی اصولوں کے مطابق چلائی جا رہی ہو۔ دنیا کی تمام جمہوری ریاستیں سیکولر نہیں لادینیت کی بنیاد پر چلائی جا رہی ہیں یہاں تک کہ اسلامی ممالک میں بھی جہاں نظر بظاہر نام نہاد قسم کی جمہوریت ہے وہ بھی اسلامی اصولوں پر نہیں چلائی جا رہی۔ مذہب وہاں ایک ذاتی معاملہ ہے۔ پاکستان میں کونسا نظام حکومت ہے۔ یہ تو دنیا کا کوئی ماہر سیاسیات بھی نہیں بتا سکتا۔ ہم سے تو ہمارا ہمسایہ ہی اچھا ہے۔ وہاں سیکولر جمہوریت تو قائم ہے بلکہ وہاں تو ایک نئی قسم کی جمہوریت قائم ہوتی ہے جسے میں موروثی جمہوریت کا نام دوں گا کہ باپ کے بعد بیٹی اور بیٹی کے بعد پوتا بھئی واہ کیا خوب جمہوریت ہے! مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ہندوستان پر اسی برہمن

خاندان کا ہی قبضہ رہے گا۔ یعنی یہ جمہوری بادشاہت ہے۔ "شاہی جمہوریت" بھی کہہ سکتے ہیں بس تاج شاہی کا فرق ہے۔

ہمارے ہاں بھی ایک جماعت اسی طرز کا نظام حکومت یعنی موروثی جمہوریت قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ کیونکہ یہاں نہ پارلیمانی نظام حکومت ہے نہ صدارتی۔ نہ جمہوریت ہے نہ اسلامی نظام حکومت ہے۔ کچھ عرصہ قبل ۱۲ ربیع الاول کو بڑی دھوم دھام سے یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ آج سے ملک میں اسلامی شریعت نافذ ہو گئی۔ اب حکومت کی طرف سے اسلامی ذہن رکھنے والے علما ارکان پارلیمنٹ کے شدید دباؤ کے پیش نظر یوں ترمیمی بل پیش کیا گیا بلکہ پاس کیا گیا ہے خدا کرے کہ عملاً شریعت بل کا مقدمۃ الجیش ثابت ہو۔

پھر آگے چل کر موصوف لکھتے ہیں "کتنی ستم ظریفی ہے کہ جن علماء دین نے تحریک پاکستان کی نہ صرف شدید مخالفت کی بلکہ برملا یہ دعویٰ بھی کیا کہ اس تحریک کے قائدین اس نئی مملکت کو ایک لادینی ریاست کے طور پر چلائیں گے۔ وہ الٹا یہ سمجھانے نکل پڑے ہیں کہ وطن عزیز کے قیام کا مقصد فقط ایسی شریعت کا نفاذ تھا جس میں گذشتہ کئی صدیوں سے اجتہاد ہی نہیں کیا گیا اور جسے وہ ناقابل تغیر و تبدل سمجھتے ہیں"

موصوف کی اس عبارت سے بھی صاف عیاں ہے کہ تحریک پاکستان کے قائدین نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ مذہبی نہیں تو اسلامی ریاست قائم کریں گے یا نئی مملکت میں اسلامی نظام قائم کریں گے۔ ورنہ علماء دین کو (بقول خود موصوف کے) اس دعویٰ کے جھٹلانے کی ضرورت نہیں تھی یعنی علماء دین کو یہ برملا دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ تحریک کے قائدین پاکستان کو ایک لادینی ریاست کے طور پر چلائیں گے۔ بلکہ پھر تو وہ سیدھا سیدھا براہ راست یہ الزام لگاتے دیکھا کہ تحریک کے قائدین پاکستان کو ایک لادینی ریاست بنانا چاہتے ہیں۔

نیز کیا آج تک کسی حکومت نے ان کے اس برملا دعویٰ کو غلط کر کے دکھایا؟ اگر یہاں اسلامی نظام حکومت قائم کر دیا جاتا تو علماء دین کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا۔ لیکن ان کا دعویٰ تو آج بھی صحیح ہے برحق ہے۔ بلکہ آپ نے تو اس شریعت کے نفاذ کو ہی متنازعہ بنا دیا ہے۔ کہ آیا یہ ملک اس لئے قائم کیا گیا کہ یہاں شریعت نافذ ہو یا اس لئے کہ یہاں اسلامی اصولوں کے مطابق جمہوریت۔

پھر آپ نے اجتہاد جیسا نازک مسئلہ چھیڑ دیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ آج پاکستان میں یا عالم اسلام میں اس پایہ کا عالم دین ہے جو شریعت میں اجتہاد مطلق کر سکے؟ جب اچھے اچھے ثقہ علما جنہیں ہم سمجھتے ہیں کہ وہ مجتہد کے پایہ کے عالم ہیں خود کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ وہ شریعت میں اجتہاد کریں تو کیا ہم اور آپ اجتہاد کریں گے؟

فرماتے ہیں "آج بھی اجتہاد کا دروازہ کھولا جا سکتا ہے مگر افسوس کہ واقعاتی دنیا میں صدیاں ہوئیں وہ کنجی گم ہو چکی ہے" تو کیا ہم اور آپ اجتہاد کا دروازہ کھول سکتے ہیں۔ کیا ہمارے یا آپ کے پاس وہ کنجی ہے جس

سے ہم یا آپ اجتہادِ مطلق کا دروازہ کھول سکیں ؟ مجتہد کے لئے بھی فقہ اسلامی میں کچھ شرائط ہیں ۔ جن کی عدم موجودگی میں کوئی عالم دین اجتہاد نہیں کر سکتا ۔ یہ ایسا موضوع ہے جس کے لئے پوری ایک کتاب درکار ہے ۔

پھر موصوف فرماتے ہیں کہ شریعت کو علماء دین ناقابل تغیر و تبدل سمجھتے ہیں ۔ سبحان اللہ ! یعنی خود انہوں نے اپنی طرف سے شریعت کو اٹل اور ناقابلِ تغیر و تبدل سمجھ لیا ہے ۔ یعنی یہ بھی ان کا اپنا گھڑا ہوا دعویٰ ہے ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ ۔ ترجمہ ۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی نہیں ہوتی ۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلاً ۔ تو ہرگز (تاکید ہے) اس کے طریقے میں تبدیلی نہیں پائے گا ۔ یعنی اس کا طریقہ (اس کا قانون) اٹل ہے ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ ۔ ترجمہ ۔ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری (تمام) کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام بطورِ دین پسند کیا ہے (سورۃ المائدہ)

جب ایک چیز مکمل ہو جاتی ہے تو کیا اس میں کسی تغیر و تبدل ، حک و اضافے ترمیم و تنسیخ کی حاجت رہ جاتی ہے جب شریعت الٰہی مکمل ہو گئی اس میں کسی قسم کی کمی و بیشی حک و اضافے یا رد و بدل کی ضرورت نہیں رہی تو وہ اٹل اور ناقابلِ تغیر و تبدل ہی ٹھہرے گی ۔ یعنی یہ تو آپ الٰہی دعوے کی تکذیب کے مرتکب ہوئے ہیں ۔ آپ نے یہ کہہ کر کہ ،، ہر شریعت الٰہی اور لادینی ریاستوں کے قوانین کے اصل ماخذ قدیم روایات اور قوموں میں رائج رسم و رواج ہی ہوا کرتے ہیں ۔

شریعتِ الٰہی اور انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین میں کوئی فرق کوئی امتیاز باقی نہیں چھوڑا ۔ آپ نے اللہ تعالیٰ اس کے بندے خالق کو مخلوق کی صف میں لا کھڑا کیا ہے ۔ یہ عبارت پڑھ کر تو آپ کی عقل پہ ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ آخر پھر انبیا و رسل کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ جب انسان اپنا اچھا بھلا خود سوچ سکتا ہے انسان اپنے ذاتی مفاد سے بالا ہو کر قانون سازی کر سکتے ہیں ۔ تو پھر وحی الٰہی کی کیا حاجت تھی ؟ آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں ؟ آخر آپ کیا باور کرانا چاہتے ہیں ؟ آپ قائد اعظم کے ارشادات کو تو اٹل اور ناقابلِ تغیر و تبدل سمجھتے ہیں کہ وہ اگر بقول آپ کے پاکستان کو ایک قومی ریاست کی شکل دینا چاہتے تھے لیکن آج پاکستان کے عوام اسے اسلامی ریاست بنانا چاہتے ہیں یہاں اسلامی نظام نافذ کرنا ان کی دیرینہ آرزو ہے ۔ تو آپ ان کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ حسبِ منشا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور رضا کے مطابق یہاں شریعتِ الٰہی کا نفاذ کریں کیونکہ بقول آپ کے یہ بانیٔ پاکستان کی مرضی نہیں تھی ۔ آپ کی نظر میں یہ روش بابائے قوم کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے لیکن کیا آپ کا شریعت الٰہی کو قدیم روایات اور رسم و رواج

پر مبنی، اور لادینی ریاستوں کے قوانین کے برابر ٹھہرانا اور اس کا ماخذ وحی الٰہی کو نہ ماننا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی نہیں تو کیا ہے ؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِن ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحیٰ ۔ ترجمہ ۔ مگر رسول وہی کہتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے ۔ یعنی یہ قرآن وحی الٰہی ہے ۔ اگر آپ شریعت الٰہی کا ماخذ وحی الٰہی یعنی قرآن نہیں مانتے تو پھر تمام کا تمام بکری کو کھلا دیں اس کے باقی رکھنے کی آخر کیا ضرورت ہے ۔ کیونکہ اسی حصے میں تو چور کی سزا قطع ید (ہاتھ کاٹنا) لکھی ہے ۔ جو قریش میں عام تھی قریش میں تو اپنے باپ کی بیوہ یعنی ماں سے نکاح بھی رائج تھا کیا قرآن نے اسے جائز قرار دیا ۔

آپ لکھتے ہیں چودہ سو برس قبل اور اس سے بھی قدیم زمانوں میں اکثر و بیشتر قبائلی نظاموں میں قوموں کے اعراف و عادات کو ہی قانون کا درجہ حاصل رہا ۔ اور اسی بنا پر آسمانی دستور اور ملکی قوانین بنتے اور بدلتے رہے اس امر کی وضاحت امام الہند شاہ ولی اللہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

" انبیاء علیہم السلام کے سامنے مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں جن ارتفقات یعنی معاشرتی انتظامات اور تدابیر کا رواج ہے ان میں ضروری اصلاح کریں اس لئے وہ ان کو یکسر چھوڑ کر ایسی باتوں کی دعوت نہیں دیتے جو ان کی قوم کے لئے بالکل اجنبی و غیر مالوف ہوں ۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو شاذ و نادر ۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ مصالح کے محل و موقع زمانوں اور عادات کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتے رہتے ہیں ۔ اسی لئے شریعتوں میں نسخ کا واقع ہونا صحیح ہے "

لیکن اس تمام عبارت سے یہ نتیجہ کہاں اخذ ہوتا ہے کہ شریعت الٰہی یا آسمانی دستور ملکی قوانین یا رسم و رواج پر مبنی ہوتے تھے ۔ شاہ صاحب فرما یہ رہے ہیں کہ انبیاء کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں جن تدابیر کا رواج ہے ان میں ضروری اصلاح کریں اس کا تعلق تدبیر منزل سے ہے ۔ قریش میں یہ رواج تھا کہ جب کعبے کا طواف کر کے گھروں کو لوٹتے تو دروازے سے داخل نہیں ہوتے تھے ۔ بلکہ گھر کے عقب میں نقب لگا کر یا دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہوتے تھے ۔ انہیں کہا گیا کہ گھروں میں دروازوں سے ہی داخل ہوا کرو ۔ دروازے لگائے ہی اس لئے جاتے ہیں ۔ یہ بد تہذیبی ہے کہ دیواریں پھاندی جائیں ۔ پھر وہ دوسروں کے گھروں میں حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بھی بلا اذن در آیا کرتے ۔ اس سے منع فرمایا گیا کہ اہل خانہ سے اجازت لے کر اس کے گھر میں قدم رکھو ۔ اور اہل خانہ کو سلام دیا کرو ۔ اگر صاحب خانہ کسی مصروفیت کی وجہ سے آپ سے اس وقت نہ ملنا چاہے اور ذرا ٹھہر کر دوبارہ آنے کو کہے تو اسے محسوس نہ کیا جائے ۔ بلکہ اسی میں بہتری ہے کہ آپ لوٹ آئیں اور پھر کسی فارغ وقت میں اس سے ملیں ۔ تو اس طرح کی ان کی معاشرت میں بہت سے غلط باتیں رواج پا گئی تھیں جن کی اصلاح کی گئی ۔ بول چال میں، چال ڈھال میں، کھانے پینے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، سونے

جا گئنے ہیں الغرض معاشرت کے سلسلے میں بہت سے آداب اسلام نے ان کو سکھائے۔ اور ان کی معاشرتی انتظامات میں اصلاح کی۔ مثلاً اللہ کی زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ بولو تو چلا کر نہیں گدھے کی طرح۔ حلال وطیب چیزیں کھاؤ سود اور شراب کو حرام قرار دیا حالانکہ یہ سب رواج قریش میں رائج تھے۔ ان کو یکسر بدل دیا گیا۔

پھر شاہ صاحب نے شریعتوں میں نسخ کے وقوع کو صحیح کہا ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کا سلسلہ جاری تھا ہر کہ آمد عمارت نو ساخت کے مصداق یہ ضروری بھی تھا نیز اس لئے کہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل شریعت عیسوی موجود تھی لیکن کس صورت میں کہ خود حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا اور خدا قرار دے دیا حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایسی کوئی تعلیم نہیں دی۔ آج تک عیسائی حضرت عیسیٰ بلکہ آپ کی والدہ حضرت مریم کو خدائی میں شریک سمجھتے ہیں تثلیث کا عقیدہ کیا حضرت عیسیٰؑ نے سکھایا تھا۔ لہذا ایک نبی کی ضرورت تھی۔ جو اس شرک کا قلع قمع کرے۔ سو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے لیکن کس شان سے آئے نبی آخرالزمان ہو کر جلوہ فرما ہوئے خود خدا نے جن کے متعلق فرمایا۔

ما کان محمداً ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ۰

ترجمہ۔ نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی شخص کے باپ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں۔

پھر آپ کی زبانی ارشاد ہوا: یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً ۰

ترجمہ۔ اے بنی نوع انسان! میں تم سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آپ کی حدیث مبارک ہے۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

پھر اس شریعت میں نسخ کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ آپ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد سلسلہ نبوت منقطع ہو گیا۔ آپ کی لائی ہوئی شریعت مکمل و کامل و اکمل ہو گئی۔ پھر اس میں تبدیلی کی اول تو ضرورت ہی نہیں اگر بالفرض ضرورت ہے بھی تو اس کی تبدیلی کا مجاز تو نبی ہی ہوتا ہے۔ وہ آنا نہیں ہے تو پھر میں اور آپ تو تبدیلی کے مجاز نہیں ہیں۔ اگر آپ اپنے تئیں اس قابل سمجھتے ہیں تو آپ کر سکتے ہیں آپ کو کون روکتا ہے۔ اس ملک میں ایک لڑکی رسول کی شان میں گستاخی کر سکتی ہے۔ ایک شخص اسلام اور زعمائے اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کر سکتا ہے ان کی کوئی زبان بندی نہیں کرتا بلکہ الٹا ان کی واہ واہ ہوتی ہے۔ ان کو اسنفتیا لے دئے جاتے ہیں تو آپ بقول شاعر

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

قرآن کو بدل دیں گے تو آپ کا کوئی کیا بگاڑے گا۔ شاید آپ کی بھی واہ واہ ہو جائے۔ آپ بھی پبلک

لیڈر بن جائیں۔ آپ کو بھی حق بجانب ثابت کرنے کیلئے لوگ بیانات دیں گے۔ اور مضامین لکھیں گے۔

غالباً آپ نے شاہ صاحب کی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر نہیں پڑھی۔ جس میں انہوں نے قرآن میں ناسخ منسوخ آیات کی تعداد کافی کم کر دی ہے یعنی آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن میں معدودے چند آیات منسوخ ہیں۔ آیت ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا کی رو سے اللہ تعالیٰ کو ہی قرآن میں رد و بدل کا حق ہے۔ انہوں نے ان آیات کا بھی ذکر کیا ہے جو منسوخ ہیں۔ اور ان آیات کا بھی جنہوں نے انہیں منسوخ کیا ہے۔ بہرحال ما چشما کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ قرآن میں اور شریعت میں تغیر و تبدل کریں اور شاہ صاحب کا بھی جمہور علماء کی طرح یہ عقیدہ ہے کہ قرآن اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم (جس کا ماخذ خود قرآن ہے) کے اصولوں میں تو کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ ہاں فروعات میں زمان و مکان اور حالات کے مطابق اجتہاد ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن و سنت کی حدود میں رہ کر کوئی مجتہد بھی ان حدود سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون۔

ترجمہ۔ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو کوئی حدود اللہ سے تجاوز کرے گا وہی ظالم ہوگا۔

آپ لکھتے ہیں کہ "شریعت محمدی کا بھی اصل ماخذ قبل از اسلام عربوں کے رسم و رواج ہیں۔"

تو جناب عربوں میں تو دختر کشی کا رواج تھا بیٹی کو زندہ درگور کر دینے کی عادت تھی۔ کیا شریعت محمدی میں اس کی اجازت ہے؟ بلکہ حکم ربانی ہے:۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق۔

ترجمہ۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقھم وایاکم

ترجمہ۔ ہم تمہیں اور ان کو رزق دینے والے ہیں۔

ان قتلھم کان خطأً کبیراً

ترجمہ۔ بے شک ان کا قتل گناہ کبیرہ ہے۔

لیکن آج ہمیں خاندانی منصوبہ بندی کو جائز قرار دینے کے لئے لامحالہ اس حکم امتناعی میں تبدیلی کرنا پڑے گی تاکہ سرے سے ہی حکم عدولی سے نجات ملے۔ پھر ہم پڑھیں گے اقتلوا اولادکم پھر کیا ہم پر بھی وہی فرد جرم عائد نہ ہوگی۔ جو یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ نے لگائی ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ